ریاستِ مدینہ اور اسلامی فلاحی مملکت کے خدوخال

(Characteristics of the State of Madinah and the Islamic Welfare State)

Kalsoom Bibi

PhD Scholar, AIOU, Islamabad

Dr. Sabeen Akbar

Assistant Professor of Islamic Studies, BUITEMS, Tkatu Campus, Quetta

Abstract

This article presents the main features of the state of Madinah, which are the guiding principles for making any state a modern Islamic welfare state. Explaining the concept of the welfare state and its basic foundations in the light of *Riyāsat-i-Madinah* Model, it concludes that the model of the state of Madina can be of great help in establishing a modern Islamic welfare state in the style. There is a need for the rulers and leaders to understand these guiding principles and make the implementation of divine law possible. Eligible persons should be appointed for state office bearers who are impartial, highly educated and have a good reputation and have a system of accountability in which the media and judiciary besides the people can play a full role. Leaders involved in corruption should be disqualified in the next elections and they should be punished.

Key words: Madinah, Islam, welfare state, Pakistan

تمہید

اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ملک پاکستان قائم ہوئے ستر سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن حسبِ وعدہ یا خواب یہ ملک اسلام کی تجربہ گاہ یا اس کا نمونہ نہیں بن سکا۔ اس کے مکینوں نے اپنے قول و عمل سے اسلام کا جو تعارف پیش کیا ہے، اس کی روشنی میں اقوام عالم اسے ایک متشدد، غیر عقلی، جذباتی اور عصر حاضر سے غیر ہم آہنگ مذہب تصور کرتے ہیں فلاحی ریاست کے تمام تصورات بکھر چکے ہیں۔ دہشت گردی، بیروزگاری، عدم استحکام، تفرقہ بازی، عالمی طاقتوں کے مفادات کی جنگ، غربت، مہنگائی اور بے روزگاری کا دور دورہ ہے۔ ان حالات میں جب پاکستان کو ریاست مدینہ کے ماڈل پر استوار کرنے یا اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی بات ہوتی ہے تو ذہن فوراً اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ آں جناب ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ کے خدوخال کا مطالعہ کیا جائے تاکہ وطنِ عزیز کو ان مذکورہ بالا نوعیت کے مسائل سے نکالا جا سکے اور اس کے شہریوں کی دنیاوی اور اخروی فلاح کے لیے آسانیاں اور مواقع فراہم کیے جا سکیں۔ اس مضمون میں ریاست مدینہ کے اہم خدوخال پیش کیے گئے ہیں، جو کسی بھی ریاست کو جدید اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس مضمون میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ ریاست مدینہ کے نمایاں خدوخال کو اہم نکات کی شکل میں واضح کیا گیا ہے جس سے جدید دور کی اسلامی فلاحی ریاست کے خدوخال مترشح ہیں۔

داخلی استحکام بذریعہ باہمی اخوت و محبت مواخات مدینہ کی روشنی میں

فلاحی ریاست کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ اسے داخلی استحکام حاصل ہو اور داخلی استحکام افرادِ ریاست کی باہمی اخوت و محبت پر منحصر ہے۔ اس مقصد کے لیے ریاستِ مدینہ سے جہاں سے رہنما اصول ملتا ہے وہ مواخاتِ مدینہ ہے۔ حضور ﷺ مدینہ پہنچے تو ہنگامی حالت تھی۔ آپ نے مہاجرین اور انصار میں موخات قائم فرمائی؛ تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ ایک ٹیم موجود تھی جو اسلامی فلاحی نظام پر پختہ یقین رکھتی تھی۔ اس ٹیم میں شامل لوگوں نے ایک دوسرے کے لیے قربانیاں دیں اور اس طرح دو طبقوں میں جو غیر معقول معاشی فرق تھا وہ ختم ہو گیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان دنوں مدینہ منورہ کی معیشت کا سارا انحصار یہودیوں کے سودی کاروبار پر تھا، مگر آپ ﷺ نے مہاجرین سے یہ نہیں فرمایا کہ تم بھی یہودیوں سے سود پر قرض لے کر اپنا کاروبار شروع کر دو، کیوں کہ اس طرح معاشی انصاف پر مبنی معاشرے کی تشکیل ناممکن تھی بلکہ آپ ﷺ نے انصار مدینہ سے فرمایا کہ اپنے بھائیوں کی مدد کرو اور پھر قرض حسنہ کا نظام رائج فرمایا اور جب معاشرے کے افراد عملاً باہمی تعاون کے ذریعے بلا سود قرضوں پر معیشت کو قائم کرنے میں لگ گئے تو اللہ نے سود کو مکمل طور پر حرام قرار دے کر اس لعنت کو ختم کر دیا۔ مسلمانوں کے درمیان مواخات قائم ہو جانے سے طمانیت حاصل ہو گئی۔ منافقین نے مہاجرین و انصار کے درمیان منافرت پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر مواخات نے ان کی چالیں ناکام بنا دیں۔ مواخات کی صورت مہاجرین و انصار کی ابتدائی ضروریات زندگی کی فراہمی کے بعد جب اسلامی حکومت منظم ہوئی تو مہاجرین کو ٹھہرانے کے لیے مکانات تعمیر کیے۔ رہائش فراہمی کے ساتھ ساتھ ان کے کھانے اور دیگر ضروریات کا انتظام

وانصرام بھی سرکاری طور پر کیا۔ ریاست کی نو آبادی اسکیم کا یہ ایک اہم حصہ تھا۔[1] رسول اللہ ﷺ کی رہائشی پالیسی یہ تھی کہ مدینہ کی کالونی میں صرف مہاجرین کو بسایا جائے، اسی لیے بنو سلمہ جو عوالی میں رہائش پذیر تھے انہوں نے جب مدینہ آکر آباد ہونے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اسے منظور نہیں کیا اور انھیں اپنی بستی ہی میں رہنے کی ہدایت فرمائی۔[2]

دیگر اقوام و ملل سے معاہدات ِ میثاق مدینہ سے رہنمائی

مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کرنے کے بعد اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اہل مدینہ کو بیرونی خطرات سے بچانے کے لیے مسلم اور غیر مسلم کسی خاص نکتے پر متفق ہوتے، اہل مدینہ کے باہمی اختلافات کو بھی ہوا نہ ملے اور مدینہ کے باہر کے لوگ بھی مدینہ منورہ پر حملے کی جرات نہ کریں۔ انھی اغراض و مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے نبی ﷺ نے ہجرت کے چند ہی ماہ بعد ایک دستاویز مرتب فرمائی۔ جسے میثاق مدینہ کا نام دیا گیا۔[3] اس معاہدے کی شقوں کے تحت مدینہ اور اس کے گردونواح میں رہنے والے تمام قبائل اور مذہبی گروہوں کو ان کے عقائد، قبائلی قوانین اور روایات کے مطابق زندگی گذارنے کے حق کو تسلیم کیا گیا تھا۔ کسی کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنے عقائد اور روایات کسی دوسرے شخص یا گروہ اور قبیلہ پر بزور طاقت مسلط کرے۔[4] ایک ایسے وقت میں جب دنیا فساد و ظلم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ اور سیاست اور مدنیت دونوں پر دست استبداد مسلط تھا۔ آئین قرآن کی حامل اس اسلامی ریاست کے قیام سے ایک ایسا معاشرتی ضابطہ قائم کیا گیا کہ جس سے شرکائے معاہدہ میں سے ہر فرد اور ہر گروہ کو اپنے اپنے عقیدے کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔ اس سے انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی۔ ارتکاب جرم پر گرفت اور مواخذے نے دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی" شہر مدینہ "اس میں رہنے والوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گئی۔ سیاسی اور مذہبی زندگی کو عروج حاصل ہوا۔ یہ معاہدہ اسلامی ریاست کی بنیاد تھا۔ "میثاق مدینہ" کے ذریعے شہر مدینہ کو پہلی مرتبہ شہری مملکت قرار دینا اور اس کے انتظام کا دستور مرتب کرنا تھا۔ اس معاہدے سے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی شہری ریاست کو ایک مستحکم نظم عطا کیا اور اس کے لیے خارجی خطرات سے نمٹنے کی بنیاد قائم کی۔ اس دستاویز نے نبی کریم کو ایک منتظم اعلی کی حیثیت سے پیش کیا اور یہ آپ ﷺ کی زبردست کامیابی تھی۔ اس دستاویز میں لفظ دین بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اس لفظ میں بیک وقت مذہب اور حکومت دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے اور یہ ایک ایسا اہم امر ہے کہ اس کو پیش نظر رکھے بغیر مذہب اسلام اور سیاسیات اسلام کو اچھی طرح نہیں سمجھا جاسکتا۔ آپ ﷺ کے تدبر و فراست کے تمام پہلو ایک ایسے مرکز کے قیام کے لیے تھے جہاں سے دعوت اسلام موثر طریق سے دی جاسکے۔ اب رسول اللہ ﷺ منتظم ریاست کے طور پر سامنے آچکے

---

1 ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام تعلیم (ثقافت اسلامی: 2006ء)، 5۔

2 عبد الملک ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ تحقیق۔ عبد الروف سعد (، الناشر: شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدۃ، ب ت)، 1: 106۔

3 ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، 1: 106۔

4 ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، 1: 106۔

تھے۔ اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ ایک نیا رخ اختیار کرتی ہے۔ مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست کو اہم مسائل درپیش تھے جن میں مہاجرین کی آبادکاری، امت واحدہ کا تصور مقبول عام بنانا، مدنی قبائل میں امن اور آشتی کو فروغ دینا، قریش مکہ کی تجارتی بالادستی کو ختم کرنا وغیرہ شامل ہے۔ جن کے حل پر زور دیا گیا۔

بازار اور منڈی کا نظام

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں خرید و فروخت کے لیے مسجد نبوی سے کچھ زیادہ فاصلہ پر علیحدہ منڈی اور بازار قائم کر دیا گیا تھا، جو بنو قینقاع کے مدینہ سے اخراج کے بعد قائم ہوئی تھی؛ کیونکہ اس سے پیشتر عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور دوسرے تجارت پیشہ مسلمان اپنا کاروبار قینقاع کے بازار میں کرتے تھے۔[5] مدینہ منورہ کا بازار بہت وسیع و عریض تھا جو کہ عہد رسالت میں نہایت بارونق اور تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں محصول چنگی کی وجہ سے تجارت میں بڑی رکاوٹیں تھیں۔ تجارت کے فروغ کے لیے آنحضرت ﷺ نے زبردست کوششیں کی۔ آپ ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ مدینہ کی منڈی میں کوئی خراج نہیں ہے۔[6] جو دوررس نتائج کا موجب بنا۔ آپ ﷺ نے تجارت کے آمدورفت پر نہ صرف چنگی کو ختم کیا بلکہ تمام ملک میں مدینہ کی طرح آزادانہ درآمدات اور برآمدات کی اجازت دے کر بین الاقوامی آزاد تجارت کی داغ بیل ڈالی دی۔ جدید تحقیقات نے اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ آزاد بین الاقوامی تجارت نہ صرف اقوام و ملل کے لیے، بلکہ پوری نوعِ بشر کی مادی ترقی کے لیے ضروری ہے، جس کے ذریعہ بین الاقوامی طور پر اشیا کی قیمتیں متوازن رکھ کر عوام کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے اس طرح اقوام خوشحال بن سکتی ہیں۔

اقتدار اعلی

اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے اور اسلامی نظریے پر کاربند قائدین ہی اس کا نظام چلا سکتے ہیں قائدین کا کام صرف ملازمتیں فراہم کرنا نہیں بلکہ اسلامی نظریات کا نفاذ اور عوام کی سیرت و کردار کی تشکیل بھی ہے۔ قومی قیادت کی ذمہ داری ہے کہ عوام کے حقوق کے لیے فرض شناسی سے کام کرے اور اپنی ذمہ داریوں کو دین اسلام اور قانون کے دائرے میں پورا کرے۔ لوگوں کے درمیان انصاف کرے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق اسلامی ریاست میں حقیقی مرجع اطاعت در حقیقت صرف پروردگار کائنات اور حضرت محمد ﷺ ہی کو حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے جب حکمران کے لیے حق اطاعت بیان کیا، تو وہیں یہ بات بھی واضح فرمادی کہ ہر حال میں اور بے چون وچرا، اطاعت صرف قرآن و سنت کے ساتھ خاص ہے، ارشاد باری تعالی ہے: يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ[7] "اے ایمان والوں، اللہ کی اطاعت کرو، اور

---

5 مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، رقم الحدیث: 45689۔

6 احمد بن یحیٰ بن جابر بن داوٗد البلاذری، فتوح البلدان (بیروت: ، دار ومکتبۃ الہلال، 1988ء)، 2:74۔

7 النساء 4: 59۔

رسول کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی، جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔ پھر تمھارے درمیان، اگر کسی معاملے میں اختلافِ رائے ہو، تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔" اس آیت کریمہ سے تین باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں: 1۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور صاحب امر (حکمران) تینوں کی اطاعت ضروری ہے۔ 2۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ تنازع اور اختلاف کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ 3۔ یہ کہ حکمران کے ساتھ تنازع اور اختلاف کی صورت پیش آسکتی ہے، مگر اس میں بھی فیصلہ کن حیثیت اللہ اور اس کے رسول صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہی کو حاصل ہے۔ قرآن مجید کی اس تصریح کے بعد، اس معاملے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا کہ مسلمانوں سے اجتماعی سطح پر کیا روش مطلوب ہے اور وہ کیا چیز ہے، جسے، اگر وہ نظر انداز کر دیں تو نعمت ایمان سے بھی محروم ہو سکتے ہیں۔ اس بنیادی اصول کا نفاذ وہ امتیازی خصوصیت ہے جو کسی بھی عام ریاست کو اسلامی ریاست بنا دیتی ہے۔ مسلمانوں میں کسی کو ذمہ داری دینے کا مقصد صرف حکومت اور شریعتِ الٰہیہ کا قیام ہونا چاہئے نہ کہ دوسری منفعت۔

نظام تعلیم

آئین قرآن کی حامل اس اسلامی ریاست میں نظام تعلیم کو بڑی اہمیت دی گئی تھی۔ آں حضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت مصعب بن عمیر کو پہلے ہی معلم بنا کر مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ آپ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مدینہ منورہ میں تعلیم پر زیادہ زور دیا ہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت ایک چبوترہ" صفہ " بنا کر اسلام کی پہلی اقامتی درس گاہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ آپ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خود درس دیا کرتے تھے۔ جس کا نصابِ تعلیم رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہی ترتیب دیا تھا۔ عرب میں چونکہ پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا اس لیے آپ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مسجد نبوی ہی میں حضرت عبداللہ بن سعید بن العاص اور حضرت عبادہ بن صامت کو لکھنا سکھانے پر مامور کیا گیا۔ صحابہ کرام کو مختلف زبانیں سکھائی گئیں اور فنون جنگ کی تعلیم بھی ہر جوان کے لیے ضروری قرار دی گئی۔ خواتین گھریلو صنعتوں کے ساتھ علاج معالجے کا انتظام بھی کرتی تھیں، حتیٰ کہ ایک صحابیات غزوات میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ اپنے دورِ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں مکتب قائم کرکے ان کی نگہداشت واخراجات کا ذمہ دار حکومت کو بنایا۔

قانون کی حکمرانی

زمانہ جاہلیت میں قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار کی قیادت پر موقوف تھا اور کبھی یہ مصداق جس کی لاٹھی اس کی بھینس تھی۔ نہ کوئی قیادت نہ کوئی حکومت اور نہ کوئی عدالت تھی کسی شخص کو انصاف حاصل کرنے کسی کے پاس جاکر شکایت کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مظلوم شخص اپنی بساط کے مطابق اپنے ظالم سے بدلہ لیتا تھا لیکن اگر ظالم قوی ہو تو کمزور کے لیے کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ انصاف حاصل کر سکے۔[8] آں حضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی قیادت اور حکمرانی کے اصول عدل وانصاف مساوات اور قانون کی حکمرانی کے مظہر ہیں۔ قانون کی اس حکمرانی کی جھلک آں حضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی قیادت

8ڈاکٹر صبحی محمصانی، الدستور والدیموقراطیۃ (بیروت: 1952)، 123۔

میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ عرب کے ایک معزز خاندان کی ایک بااثر خاتون نے چوری کی۔ مقدمہ آپ ﷺ کی بارگاہ انصاف میں آیا تو آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری فرمادیا۔ اہلِ قبیلہ نے ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے سفارش کروائی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انما اهلك الذين قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد ρ سرقت لقطعت يدها۔[9] "پہلی قومیں اس لئے تباہ ہو گئیں کہ جب کوئی بڑا غلطی کا ارتکاب کرتا تو مختلف حیلوں بہانوں سے سزا سے بچ جاتا اور جب کوئی عام انسان کسی فعل شنیع کا مرتکب ہوتا تو سزا پاتا" آپ ﷺ نے فرمایا "اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔" اس واقعہ سے اصولوں کی پاسداری کی بات آتی ہے تو وہاں تعلقات اور قرابت داری کو ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ریاست مدینہ کے سربراہ حضرت محمد ﷺ کی جو جگر گوشہ فاطمہ پر وہی حد جاری کرنے کے عزم کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے آخری ایام میں فرمایا میں نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہو تو وہ وبدلہ لے سکتاہے۔ ریاست مدینہ ایسی ریاست تھی جس میں انصاف وعدل کے تقاضوں کے مطابق مسلمان قاضی کا فیصلہ یہودی کے لیے برات اور مسلمان کے لیے گردن زنی کا تھا۔

شورائیت

فلاحی ریاست میں شوریٰ کی اہمیت ناقابلِ انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نظام ریاست میں اسے اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ قرآن کریم میں ہے: **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ**۔[10] "اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔" چونکہ شورائی نظام قانون سازی اور تدبیر مملکت کے نقطہ نظر سے مشورہ لینا ضروری تھا اس لیے سے حکمت الٰہی مقتضی ہوئی کہ آپ ﷺ خود اپنے طرز عمل سے اس کی بنیاد رکھیں رسول اللہ ﷺ کو اگرچہ براہ راست وحی الٰہی کی رہنمائی حاصل تھی اور آپ کسی معاملے میں دوسروں سے مشورہ لینے کے محتاج نہیں تھے اس کے باوصف آیت میں آپ ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ لیتے رہنے کا حکم دیا گیاہے۔ اسلامی نظام ریاست کے اس بنیادی اصول کے بارے قرآن کریم میں مسلمانوں کے طرز عمل کے بارے میں بتایا گیاہے، ارشاد باری تعالی ہے: وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ ۔[11] "اور ان کا نظام باہمی مشورے پر مبنی ہے۔" چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے جگہ کا انتخاب صلاح ومشورہ کے بعد ہی ہوا تھا۔ مواخاۃ کا نظام بھی طرفین کی مرضی اور باہمی مشاورت سے قائم کیا گیا تھا نیز واقعہ افک کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا ۔ ریاست مدینہ کی مجلس شوری کی تعداد کم وبیش 50 پر مشتمل تھی۔ اس اصول کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دور رسالت میں ہی شورائی نظام قانون سازی کی تاسیس عمل میں آئی۔ حضرت ابوہریرۃ فرماتے ہیں۔" مارأيت

---

9 محمد بن عبداللہ الخطیب تبریزی،، مشکوٰۃ المصابیح (بیروت: دار الفکر، 1412ھ)، 2: 314۔

10 الِ عمران 3: 159۔

11 شوریٰ 42: 38۔

احدا قط کان اکثر مشورة لاصحابه من رسول الله۔[12] "میں نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیتے رہنے والا کبھی کسی شخص کو نہیں پایا۔" اسلامی ریاست کا یہ بنیادی اصول نہ صرف یہ کہ آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سیرت طیبہ میں پوری طرح کار فرما نظر آتا ہے، بلکہ خلفائے راشدین نے بھی اس روایت کو قائم رکھا۔ چنانچہ عہد صحابہ میں بھی حضرات صحابہ کرام کے سامنے بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اسوۂ حسنہ اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعلیمات تھیں۔ اس اصولی ہدایت کے بارے میں حضرت علی سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم:

ان عرض لی امر لم ینزل قضاء فی امره ولا سنة کیف تامرنی قال تجعلونه شوریٰ بین اهل الفقه والعابدین من المؤمنین ولا تقض فیه برأیك خاصة۔[13] اگر میرے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا ذکر نہ قرآن میں ہو نہ سنت میں تو اس معاملے میں آپ مجھے کیا روش اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کو قانون اسلام میں بصیرت رکھنے والوں اور صالحین کے مشورے سے طے کرو اور اس میں تنہا اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کرو۔" اسی اصول پر صحابہ نے نظام خلافت کی بنیاد رکھی جس میں خلیفہ کے انتخاب میں بھی جمہور مسلمین کے مشورہ کی شرط لازم ٹھہرائی اور خلافت کے فرائض کی انجام دہی میں بھی شوریٰ کو ضروری قرار دیا گیا۔

نظام احتساب

احتساب کا محکمہ باقاعدہ تو نہ تھا لیکن آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عوام کی روزمرہ زندگی پر کڑی نگرانی رکھتے، ان کے اخلاق وعادات اور بیع و شراء میں اصلاح کے ساتھ ساتھ اعمال کا محاسبہ کرنے پر بھی توجہ دیتے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عمال اور عہدیداران کے محاسبہ کے لیے نظام احتساب قائم کیا تھا جس کی نگرانی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خود کیا کرتے تھے۔ سربراہ ریاست کو احتسابی عمل کے اصول کو اپنی قیادت کے دوران مد نظر رکھنا چاہیئے اس سلسلہ میں انھیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اسوہ حسنہ سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عمال اور عہدیداران کے محاسبہ کے لیے نظام احتساب قائم کیا تھا جس کی نگرانی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خود کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بنو سلمہ سے صدقات لینے کے لیے ایک شخص کو بھیجا اس نے واپسی پر آدھا سامان مال آپ کو پیش کیا اور کچھ مال اپنے پاس رکھ لیا اور کہا یہ میرا مال ہے جو مجھے تحفہ دیا گیا ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا: أَفَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ۔[14] "وہ اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا کہ اس کے پاس تحفہ آتا۔" آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے عہد میں دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ تخمینہ غلہ خریدتے تھے ان کو اسی بات پر سزا دی جاتی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالتے جہاں اس کو خریدا تھا۔[15] احتسابی عمل سے معاملات

---

12 محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب قول اللہ تعالی: وامر ہم شوری بینہم، 1:351۔

13 سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الکبیر (القاھرہ: مکتبۃ ابن تیمیہ، ب ت)، 11: 371؛ رقم: 12042۔

14 البخاری، صحیح البخاری، کتاب الحِیَل، باب احتیال العامل لیہدی لہ، حدیث رقم: 6578۔

15 مسلم، صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض، حدیث رقم: 1525۔

ٹھیک اور درست طریقے ست چلتے ہیں اور ماتحت عمال متنبہ رہتے ہیں۔ سربراہ ریاست کو اسلام کی آفاقی تعلیمات، نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ اور خلفائے راشدین کا نظام سامنے رکھ کر قانون کی حکمرانی کو مشعل راہ بنائے اور قوم کے سامنے ایک مثالی نمونہ بن سکے۔

رسول اکرم ﷺ کے عہد میں احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں تھا مگر آپ ﷺ یہ فرض خود انجام دیا کرتے تھے۔ تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے۔ عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابل اصلاح تھی۔ مدینہ منورہ آنے کے بعد آپ ﷺ نے اصلاحات جاری کیں۔ آپ ﷺ تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کراتے، جو باز نہ آتے انہیں سزائیں دیتے۔ آپ ﷺ کے عہد میں کوئی باقاعدہ جیل خانہ نہیں تھا اس لیے صرف اتنا خیال کیا جاتا تھا کہ مجرم کو کچھ مدت کے لیے لوگوں سے ملنے جلنے اور معاشرتی تعلقات قائم نہ رکھنے دیے جائیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دیکھا کہ لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے۔ ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود ہی وہاں بیچ ڈالیں جہاں اس کو خریدا تھا۔ آپ ﷺ عمال پر کڑی نگاہ رکھتے، کسی عامل کی شکایت پہنچتی تو فوراً تحقیقات کراتے کیونکہ حکمران کی حیثیت ایک داعی کی ہے۔ اگر سلطنت عدل کی جگہ ظلم و تشدد قبول کرلے تو سلطنت کا نظام درہم برہم ہوتا ہے۔

خدمت خلق

رسول اللہ ﷺ نے اقصائے عالم میں حسن سلوک اور خدمت خلق کا وہ عظیم مظاہرہ کیا جس کی بدولت غیر اور دشمن بھی آپ ﷺ کے حلقہ احباب میں شامل ہونے سے نہ رہ سکا۔ اسلامی ریاست میں قومی قیادت کے خواص میں سے ایک اہم چیز خدمت خلق ہے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ دراصل خدمت خلق سے عبارت ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بے پناہ جذبہ عطا فرمایا تھا آپ ہر وقت مخلوق خدا کی خدمت کیلئے کمربستہ رہتے تھے مسلم ہو یا غیر مسلم آقا ہو یا غلام اپنا ہو یا بیگانہ ہر کسی کے کام آتے۔ سربراہ حکومت کو خدمت خلق کے جزبہ سے سرشار ہونا چاہیے۔ مخلوق کی خدمت کرنا انسانی اخلاق کا نہایت اعلیٰ جوہر ہے۔ قائد کا نصب العین گویا اس کی قوم خدمت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ وہ اپنی کاوشوں کی جہت قومی احتیاج وضرورت کو دیکھ کر متعین کرتا ہے اور پھر اس کو اس صاف، شفاف، واضح اور غیر مبہم انداز میں پیش کرتا ہے کہ ہر ایک کو سمجھنے میں کسی منطق سے آگاہی اور کسی قضیے کی ضرورت نہ محسوس ہو بلکہ ہر خاص و عام قائد کے خلوص بھرے، بامعنی کلمات سے یکساں استفادہ کرے اور کلمات کی تہہ تک باآسانی پہنچ جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: سيدالقوم خادمهم۔[16] "سردار و قائد اپنی قوم کا خادم ہوتا ہے۔" آپ ﷺ کا ارشاد ہے " خيرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاس "[17]

---

16 ابوالفضل جلال الدین السیوطی، ، الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر (بیروت: ، دارالکتب العلمیہ، ب ت)، 2: 59۔

17 ابو عبد اللہ محمد بن عمر الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار إحیاء التراث العربی، 1420ھ)، 3: 350۔

"لوگوں میں بہترین انسان وہ ہے، وہ دوسرے لوگوں کو نفع پہنچائے۔" غرضیکہ خدمت خلق کا جذبہ آپ ﷺ کی مثالی قیادت میں شامل تھی۔ مگر افسوس آج کے حکمرانوں میں خدمت خلق کے لفظ سے ناپید ہیں۔

مذہبی آزادی

قرآن کریم اور سیرت طیبہ میں مذہبی آزادی کا اور اسلامی رواداری کا تصور بالکل واضح ہے۔ مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے۔ کہ وہ باطل معبودوں کو بھی گالیاں نہ دیں۔ عہد رسالت میں عیسائیوں کا ایک وفد نجران سے مدینہ منورہ آپ ﷺ سے مناظرہ کرنے کی نیت سے آیا جن میں دشمنی کا عنصر غالب تھا۔ آں حضرت ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور عبادت کے لیے ان کے لیے مسجد نبوی کو کھول دیا اور انھوں نے اپنے طریقے سے عبادت کی۔[18] آں حضرت ﷺ کا یہ قائدانہ کردار ہمارے قائدین کے لیے مشعل راہ ہے۔ قائد صرف احکام صادر کرنے والا ہی نہ ہو بلکہ دور اندیش اور حسن سلوک میں اعلیٰ ترین عادات کا خوگر بھی ہو۔ کسی بھی معاشرے کے لوگ مختلف خیال اور متعدد اذہان کے حامل ہوتے ہیں جن کے مابین فکری و نظری اور مذہبی اختلاف کا ہونا لازمی امر ہے۔ اسی طرح اقلیت بھی معاشرے کا لازمی حصہ ہے۔ لہٰذا قائد کو رواداری، مذہبی آزادی کا مکمل خیال رکھنا چاہیے۔ رواداری میں غیر مسلموں کو قریب ہونے کا موقع ملتا ہے جو قبولیت اسلام کا سبب بن سکتا ہے۔

امن و امان کا قیام

امن و امان کا قیام ایک سربراہ ریاست کے لیے بہت ضروری ہے۔ ریاست مدینہ ابتدا ہی سے مختلف خطرات سے گھری ہوئی تھی، انسان انسان کا دشمن تھا آپ ﷺ نے اپنی سیاسی بصیرت سے کام لے کر مدینہ کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے قبائل کیساتھ معاملات کیے اور یہود کے طاقتور قبائل کو بھی ریاست مدینہ کے تحفظ کا ذمہ دار بنایا نیز اندرونی طور پر نقیب مقرر کیے یوں نہ صرف ہر بستی اور محلے میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہو گیا بلکہ اسلامی ریاست بیرونی خطرات سے محفوظ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہیں داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی اور فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت کاروائی کی امن و امان بر قرار رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے کشف وخون سے ہر ممکن گریز کیا ہے۔ عرب کی فضا اس قدر مکدر تھی کہ مسلمان اس میں سانس تک نہیں لے سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے متواتر اور بہیم کوشش کر کے یہود کی سازشوں کا طلسم کو پاش پاش کیا، قبائل کی صدیوں کی خانہ جنگیوں کو ختم کیا ڈاکوؤں اور راہزنوں کو راہ راست پر ڈالا۔ بیرونی خطرات کا سدباب کیا۔ آپ ﷺ کی کوششوں سے امن و امان کی صورت حال ایسی جائے گی جس کے بارے آپ نے پیشن گوئی فرمائی ہے، ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب صنعا یمن سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی اور اس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہو گا۔

معاشی نظام کے خدوخال

---

[18] ابو بکر احمد بن علی بیہقی، السنن الکبریٰ (مکہ: مکتبہ دار الباز 1414ھ)، 8: 3۔

نبی اکرم ﷺ نے اسلامی معاشی نظام کے بنیادی تصورات اور تعلیمات عطا فرمائیں جو ہر دور کے لیے رہنما اصول کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور ان کو آسانی سے نافذ العمل کیا جا سکتا ہے۔ انسانی حیات کی استواری میں مال و دولت بنیادی معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کے دیے ہوئے تصورات معیشت میں ہر شخص کو اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق کسب معاش اور رزق حلال کے حصول کو فرض قرار دیا ہے۔ غفلت اور سستی کی اجازت قطعاً نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں معاشی سرگرمیوں کی اہمیت واضح نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے احسن طریقے سے نفع مند مال کمانے کی تعریف فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "وہ مال کتنا ہی اچھا ہے جو کسی نیک و پارسا انسان کے پاس ہو۔"[19] نیز فرمایا "رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔"[20]

رسول اللہ ﷺ نے عام الناس کے مفاد کو ذاتی وانفرادی مفاد پر ترجیح دی ہے۔ تاہم ذاتی حق و ملکیت کی کبھی نفی نہیں کی۔ آپ ﷺ نے انفرادی حق و مفاد کو تسلیم کیا تاہم کسی فرد یا جماعت کو اسلامی ریاست میں یہ حق نہیں دیا جاتا کہ وہ ایسے معاشی مفاد کے حقوق کا مالک بنے جو عام الناس کے مفاد کے خلاف ہو۔ ضرورت پڑنے پر خود رسول ﷺ نیا جتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیا ہے۔ حضرت ابیض بن حمال بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مآرب میں نمک کی جو جھیل تھی اس کو عطیہ کے طور پر مانگا۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ ایک شخص نے یہ دیکھ کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ نے نمک کا ہمیشہ جاری رہنے والا خزانہ کیوں اس کے حوالے کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی اصل حقیقت سے آگاہی کے بعد واپس لے لیا اور دینے سے انکار فرما دیا۔[21]

آپ ﷺ نے مسئلہ معاش کو براہ راست انسانی زندگی میں نیکی اور بدی کا ایک فیصلہ کن عامل قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "ممکن ہے غربت و افلاس (کا ردعمل) کفر کی حد تک پہنچ جائے۔"[(22)] اسی طرح آپ ﷺ نے زندگی کے اعتدال کو بھی معتدل معاشی سرگرمیوں سے مشروط قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ "خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔"[23]

اقلیتوں کے حقوق

اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں کو ہر قسم کے حقوق حاصل ہیں۔ غیر مسلم چاہے معاہد (ذمی) ہیں یا غیر معاہد ان کے حقوق معاہدے کے مطابق حاصل رہیں گے۔ اسلامی ریاست کے سربراہان ان کے حقوق ادا کرنے کے پابند ہیں۔ ارشاد

---

19 البخاری، الادب المفرد، رقم: 299۔

20 بیہقی، شعب الایمان، رقم: 11695۔

21 بیہقی، شعب الایمان، رقم: 6148۔

22 بیہقی، شعب الایمان، رقم: 6188۔

23 بیہقی، شعب الایمان، 6148۔

باری تعالیٰ ہے: وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولًا۔[24] آپ ﷺ نے فرمایا: أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوْ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[25] "خبر دار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس کی رضا مندی کے بغیر کوئی چیز اس سے لے گا، اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود استغاثہ کروں گا۔" مفتوح علاقوں کے غیر مسلم، جنھیں ذمی کہتے ہیں، اگر جزیہ دے کر اسلامی حکومت کی اطاعت اختیار کر لیں، تو انھیں وہ تمام حقوق حاصل ہو جائیں گے جو عدل و انصاف کا تقاضا ہیں۔ عدل و انصاف کی پاسداری مسلمانوں سے، ہر حال میں، مطلوب ہے، خواہ معاملہ دشمن ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ۔[26] "اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو۔ یہی تقویٰ کے قریب تر ہے۔"

ذمی جو اسلامی ریاست کی اطاعت قبول کر چکے ہیں، ان کے ساتھ تو بدرجہ اولی عدل و انصاف ہی کا معاملہ ہونا چاہیے۔ بنیادی ضرورتوں کے ضمن میں، ان میں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت اس طرح کی جائے گی۔ ان پر مناسب جزیہ عائد ہو گا جس کا ادا کرنا مشکل نہ ہو۔ بچے، عورتیں، ذہنی اور جسمانی لحاظ سے معذور، دنیا سے بے تعلق راہب اور درویش اور بوڑھے اور بیمار جزیہ لازم نہ ہو گا۔ ان کے مذہب میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کی جائے گی اور ان کی عبادت گاہیں قائم رہیں گی۔ وہ اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے میں آزاد ہوں گے اور شخصی معاملات میں انھیں ریاست کے قانون سے استثنا بھی دیا جائے گا۔ انھیں اجازت ہو گی کہ وہ اپنا مذہبی نقطہ نظر، دوسروں کے سامنے پیش کر سکیں۔

قیادت کے اصول و ضوابط

آں حضرت ﷺ نے عہدہ اور حکومت کو امانت قرار دیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی عہدہ طلب کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلاَّ مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا۔[27] "اے ابوذر تو کمزور ہے اور یہ امارت امانت ہے اور یہ قیامت کے دن کی رسوائی اور شرمندگی ہے سوائے اس کے جس نے اس کے حقوق پورے کیے اور اس بارے میں جو اس کی ذمہ داری تھی اس کو ادا کیا۔" عہدہ اور حکومت ایک امانت ہے اور یہ امانت اسی شخص کے سپرد کی جائے کہ جو حکومت

---

24 بنی اسرائیل 17: 34۔

25 ابو داؤد، سنن ابو داؤد، کتاب الخراج والإمارة والفیء، رقم: 3052۔

26 المائدہ 5: 8۔

27 مسلم، صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب کراہۃ حدیث: 4823۔

طلب نہ کرے اور نہ ہی اس کے دل میں حکومت حاصل کرنے کی لالچ و حرص موجود ہوں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا [28] "بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتاہے کہ امانتیں جن کی ہیں ان کے سپرد کردو۔"عوام الناس کو چاہیے کہ وہ ایسے حکمران کو منتخب کریں جو اس منصب کے اہل ہوں۔اسی طرح اہل حل وعقد یعنی اولی الامر کو چاہیے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو بھی کوئی عہدہ دیتے وقت سب سے زیادہ متقی اور باصلاحیت شخص کا انتخاب کریں۔ہر دور کے قائدین کو اس اصول کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح ماضی میں تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی ﷺ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کررہے تھے کہ اتنے میں ایک دیہاتی آیااور اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ نبی ﷺ نے فرمایا:فاذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة قال:کیف اضاعتها قال اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة۔[29]جب امانت کو ضائع کر دیا جائے تو تو قیامت کا انتظار کر۔اس نے پوچھا: امانت کو کس طرح ضائع کیا جائے گا؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: حکومت نااہل کے حوالے کردی جائے تو قیامت کا انتظار کر۔"لہٰذا حکمرانوں کا اقتدار عوام کی امانت ہے جس کی پاسداری حاکمِ وقت کا فرضِ اولین ہونا چاہیے ،یعنی عوام کے جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت، بہترین معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے روزگار کے مواقع کی فراہمی، امن و امان کا قیام، صحت و تعلیم کو بنیادی ترجیح میں شامل کرنا اور عوام کے ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدنی عوامی فلاح وبہبود کے منصوبوں پر خرچ کرنا ہی اہلیت کا عملی ثبوت ہے۔

قیادت چاہے چھوٹی سطح کی ہو یا بڑی اس میں قائد کو اس کی مبادیات سے مکمل واقفیت اور اس فن میں ماہر اور ہر معاملے میں تدبر اور صلاحیت کار کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔چنانچہ اسلام میں منصب پر تعیناتی اہلیت کی بنا پر ہی ہوتی ہے اور جو شخص یہ ذمہ داری ایسے فرد کو تفویض کرے جو اس کا اہل نہیں ہے تو ایسے شخص کے بارے میں آپ ﷺ نے ان الفاظ میں مذمت بیان فرمائی ہے:من استعمل رجلاً من عصاب وهو یجد فی تلك العصابة ارضی منه فقد خان االله وخان رسول وخان المؤمنین۔ [30]" جس نے ایک جماعت پر ایسے شخص کو ذمہ داری سونپی حالانکہ اس جماعت میں اس سے زیادہ موزوں اور بہتر شخص موجود تھا تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کا ارتکاب کیا۔"ہر منصب اور عہدے کے مناسب بہتر سے بہتر کو مقرر کرنا حکمران کا فرض ہے۔اگر صالح ترین فرد موجود نہ ہو تو پھر صالح کو یہ ذمہ داری تفویض کرنی چاہئے۔تاہم اگر ایک دیندار و متقی شخص جسے انتظام وانصرام کا تجربہ نہ ہو اس کے مقابلہ دوسرا شخص جو نسبۃً کم دیندار ہو مگر اسے انتظام کا مکمل تجربہ ہو تو ایسے شخص کو ترجیح دی جائے گی۔تاہم اللہ تعالیٰ کا باغی حکومت کے کسی بھی عہدہ کے لئے نااہل ہے۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:إِمَّا الْفَاجِرُ الْقَوِيُّ فَقَوْلُهُ

---

[28] النساء4: 58۔

[29] البخاری، صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الامانۃ، رقم: 1631۔

30 ابو عبداللہ الحاکم النیسابوری، المستدرک علیٰ الصحیحین (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1411ھ)، 4: 104۔

لِلْمُسْلِمِينَ وَفُجُورُهُ عَلَى نَفْسِهِ ؛ وَأَمَّا الصَّالِحُ الضَّعِيفُ فَصَلَاحُهُ لِنَفْسِهِ وَضَعْفُهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَيُغْزَى مَعَ الْقَوِيِّ الْفَاجِرِ. وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «إن الله يؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر۔[31] "آپ ﷺ نے فرمایا: طاقتور فاجر کے احکامات مسلمانوں کے لیے ہوں گے اور اس کی معصیات اپنی جان کے لئے ہو گی اور جبکہ نیک کمزور، اس کی نیکی اپنی جان کے لئے اور اس کی کمزوری مسلمانوں کے لئے ہو گی۔ پس طاقتور فاجر کو قیادت دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ اس دین کو فاجر شخص کے ذریعے تقویت دیں گے)۔ سوسائٹی میں فساد نا اہل حکمرانوں کی وجہ سے آتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اذاصلح سلطانکم صلح زمانکم، فاذافسد سلطانکم فسد زمانکم۔[32] "اگر تمھاری حکومت سنور جائے تو تمھارا زمانہ سنور جائے گا، اگر تمھارے اہلِ حکومت فساد میں مبتلا ہو جائیں تو تمہارا زمانہ بگڑ جائے گا۔" گویا مسلم امہ کی بھلائی اس کے حکمران، لیڈروں اور رہنماؤں کے سنور جانے پر منحصر ہے۔ اہلِ سلطنت اور اہلِ حکومت بگڑ جائیں تو زمانہ بھی بدعنوان ہو جائے گا۔ یعنی سارا معاشرہ اور سوسائٹی کرپشن اور لاقانونیت کی لپیٹ میں آجائے گی جس کی وجہ سے سارے امورِ سیاست وریاست میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور اسی سے فساد فی الارض، بے راہ روی، بے روزگاری، بدامنی اور خودکشی وخودسوزی جیسے اندوہناک واقعات جنم لیتے ہیں۔

آپ کی سیرت سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی بھی عہدہ کے لیے وہ شخص نااہل قرار پائے گا جو اس عہدہ کا طلب گار ہو گا۔ عہد رسالت میں ایک شخص نے آپ ﷺ کوئی عہدہ طلب کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّا وَاللَّهِ لاَ نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ وَلاَ أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ۔[33] "اللہ کی قسم، ہم کسی ایسے شخص کو اس نظام میں کوئی عہدہ نہ دیں گے، جو اسے مانگے اور اس کا حریص ہو۔" گویا اسلامی ریاست میں عہدوں کے حریص ان مناصب کے لیے نااہل قرار پاتے ہیں۔ اس لیے کسی شخص کو اپنے آپ کو کسی بھی عہدہ کے لیے پیش نہ کریں۔ حکمرانوں کو چاہیے کہ اپنی قیادت میں اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے ماتحتوں میں اس کا پابند بنائیں۔ کیونکہ عہدہ طلب کونے سے اللہ تعالی کی طرف سے اعانت نہیں ہوتی ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لاَ تَسْأَلِ الإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ أُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا۔[34] "اے عبدالرحمن! امارت کا سوال مت کرنا کیونکہ اگر تجھے تیرے سوال کے بعد یہ عطا کر دی گئی تو تم اس کے سپرد کر دیئے جاؤ گے اور اگر یہ تجھے مانگے بغیر عطا کی گئی تو تیری اس معاملہ میں مدد کی جائے گی۔"

---

31 احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، 29۔

32 بیہقی، السنن الکبریٰ 162:2۔

33 مسلم، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب النَّھْیِ عَنْ طَلَبِ الإِمَارَةِ وَالْحِرْصِ عَلَيْهَا، حدیث: 4821۔

34 مسلم، صحیح مسلم، حدیث: 4819۔

خلاصۂ بحث

پاکستان میں جب ریاست کو ریاست مدینہ کے ماڈل پر استوار کرنے کی بات ہوتی ہے تو ذہن فوراً اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ آں جناب ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ کے خدوخال کا مطالعہ کیا جائے تاکہ وطنِ عزیز کو دہشت گردی، بیروزگاری، عدم استحکام، تفرقہ بازی، عالمی طاقتوں کے مفادات کی جنگ، غربت، مہنگائی اور بے روزگاری ایسے مسائل سے نکالا جاسکے اور اس کے شہریوں کی دنیاوی اور اخروی فلاح کے لیے آسانیاں اور مواقع فراہم ہوں۔ اس مضمون میں ریاست مدینہ کے اہم خدوخال پیش کیے گیے ہیں، جو کسی بھی ریاست کو جدید اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ اگر مواخات، میثاقِ مدینہ، احتساب، قانون کی حکمرانی، اقلیتوں کے حقوق وغیرہ کے اسی ماڈل کو سامنے رکھا جائے تو ریاستِ مدینہ کے طرز پر جدید اسلامی فلاحی ریاست کے قیام میں بہت مدد فراہم ہوسکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان رہنما اصولوں کو سمجھتے ہوئے حکمران و قائدین نفاذ قانون الٰہی کو ممکن بنائیں۔ ریاستی عہدہ داران کے لئے اہل افراد کا تقرر کیا جائے جو غیر جانبدار، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اچھی شہرت کے حامل ہوِ۔ یہ نئی قیادت عوام میں سے منتخب کی جائے۔ نیز قیادت غیر موروثی ہو اور میرٹ کو یقینی بنایا جائے۔ لیڈرشپ منظم اور تربیت یافتہ ہونی چاہیے۔ اس کی سیاسی، اخلاقی تعلیم و تربیت کا بندوبست ہو۔ لیڈرشپ کے لیے جواب دہی اور احتساب کا نظام موجود ہو، جس میں عوام کے علاوہ میڈیا اور عدلیہ بھرپور کردار ادا کرسکے۔ کرپشن میں ملوث قائدین آئندہ انتخاب میں نااہل قرار دیے جائیں اور ان کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ عصر حاضر کے معروضی حالات کے پیشِ نظر سیرت طیبہ کی روشنی میں عسکری و دفاعی لحاظ سے وطن عزیز کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جاسکتا ہے۔